حضرت امیر شریعتؒ کے ساتھ چند روز

مولانا محمد اکرم طوفانی

۱۹۵۸ء کا سال تھا۔ بندہ بھیرہ میں مدرسہ خضریہ کا طالب علم تھا۔ مدرسہ خضریہ، بھیرہ، حاجی عبداللہ صاحب پراچہ کے زیر انتظام تھا۔ میری عمر قریباً ۲۳ سال تھی۔ مدرسہ کا سالانہ جلسہ تھا۔ سالانہ جلسے میں اکثر مولانا نورالحسن شاہ بخاریؒ تشریف لایا کرتے تھے۔ ہمارے استاد حضرت مولانا منظور شاہ صاحبؒ تھے جو مولانا غلام اللہ خان صاحبؒ کے شاگردِ خاص تھے۔ مولانا غلام اللہ خان صاحبؒ بھی جلسہ میں تشریف لایا کرتے تھے۔ ایک استاد ہمارے مولانا عبدالرشید، خطیب مسجد مہاجرین بھیرہ تھے جو ماشاءاللہ اب بھی بقیدِ حیات ہیں۔

میری ڈیوٹی علماء کی خدمت کی تھی۔ اللہ کا کروڑ کروڑ شکر ہے کہ اس نے بچپن ہی سے اکابر کی صحبت نصیب فرمائی۔ چنانچہ خدمت کے دوران میری حضرت نورالحسن شاہ صاحبؒ سے تعلیمی بات چیت شروع ہوئی۔ آپ نے مجھ سے پوچھا کہ کیا پڑھتے ہو۔ میں نے اپنے جاری اسباق کا تذکرہ کیا۔ شعبان کا مہینہ تھا۔ حضرت مولانا نورالحسن شاہ بخاریؒ نے باتوں باتوں میں ارشاد فرمایا: ''ابھی تھوڑے دنوں کے بعد رمضان شریف میں ہمارے یہاں دارالمبلغین ملتان میں مذاہب متفرقہ پر معلوماتی کورس شروع ہونے والا ہے اس دفعہ آپ حضرات اس کورس میں تشریف لے آئیں''۔ چنانچہ میں اور میرے ساتھ اسباق میں شریک ایک ساتھی سید صابر حسین شاہ صاحب مرحوم ہم دونوں وقت مقررہ پر ملتان پہنچ گئے اور دارالمبلغین میں جو اس وقت بوہڑ گیٹ (ملتان) میں واقع تھا، داخلہ لے لیا۔ ہمیں پڑھانے والے اساتذہ میں مولانا سید نورالحسن شاہ صاحب بخاریؒ، مولانا عبدالستار تونسوی مدظلہ، مولانا دوست محمد قریشیؒ، علامہ خالد محمود مدظلہ اور مولانا عبدالحئی جام پوریؒ تھے۔ اس وقت کورس میں ہم قریباً ۱۹ ساتھی تھے۔ وہاں پاس ہی انگریز دور کی ایک بہت بڑی بلڈنگ تھی جس میں حکیم فیروز دینؒ حکمت کا کاروبار کرتے تھے۔ موصوف، حضرت مولانا احمد علی لاہوریؒ کے متوسلین میں سے تھے۔ ان کے پاس بھی حاضری ہوتی تھی۔

۱۹۵۶ء میں غالباً ایک مضمون رسالہ ''دارالعلوم'' دیوبند میں بعنوان حیات النبی صلی اللہ علیہ وسلم دو قسطوں میں شائع ہوا تھا۔ اس مضمون کو حضرت مولانا قاضی احسان احمد شجاع آبادی نے حضرت امیر شریعت رحمۃ اللہ علیہ کے حکم پر کتابچے کی شکل میں شائع کر دیا اور یہاں سے پھر مسئلہ حیات النبی صلی اللہ علیہ وسلم کا چرچا ہو گیا اور اختلافی شکل معرضِ وجود

میں آ گئی۔(☆)۔ان دنوں ہمارے ساتھ مولانا عبدالقادر آزاد صاحبؒ بھی تھے۔میرے ساتھی صابر شاہ صاحب، اللہ ان کی مغفرت فرمائے، وہ سید عنایت اللہ شاہ بخاری مرحوم کے مرید تھے۔ہم سے حیات النبی کے مسئلہ پر اکثر اوقات گفتگو فرمایا کرتے تھے۔ایک روز اچانک بات بڑھ گئی اور صابر شاہ صاحب کے ساتھ مولانا عبدالقادر آزاد مرحوم الجھ گئے۔آخر طے یہ ہوا کہ حضرت امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ کی خدمت میں جا کر فیصلہ کروالیتے ہیں۔چنانچہ ہم تینوں ساتھی (مولانا عبدالقادر آزادؒ، صابر شاہ صاحبؒ اور راقم) حضرت شاہ جیؒ کی خدمت میں اپنا متنازعہ مسئلہ لے کر حاضر ہوئے۔ مولانا عبدالقادر آزادؒ نے حضرت شاہ جیؒ کی خدمت میں یہ سارا واقعہ رکھا اور اپنے اختلاف کو واضح کیا۔حضرت شاہ جیؒ نے واقعہ سن کر ایک سرد آہ بھری اور فرمایا کہ: ''اکابر کو چھوڑ کر اپنی مرضی کے مطابق دین کو ڈھالنا اپنے آپ کو ہلاکت میں ڈالنے کے مترادف ہے۔صراطِ مستقیم پر موت کی خواہش ہے تو تادم مرگ اکابر کے دامن سے وابستہ رہو، ہاتھ کٹ جائیں لیکن اکابر کا دامن ہاتھ سے نہ چھوٹے۔'' ایک لمبی سانس بھر کر پھر فرمایا بھائی (''بھائی'' کے لفظ کو کھینچتے ہوئے) ہمارے تمام اکابر حیات النبی صلی اللہ علیہ وسلم کے نہ صرف قائل تھے بلکہ اس عقیدہ کو حرزِ جان اور جزءِ ایمان سمجھتے تھے۔

اس موقع پر مولانا عبدالقادر آزاد صاحبؒ نے کئی سخت جملے بھی ادا کیے اور مولانا غلام اللہ خان صاحبؒ کا نام لے کر فرمایا کہ شاہ جی ان لوگوں نے فتنہ اٹھایا ہوا ہے۔یہ بہت ہی فتنہ پرداز لوگ ہیں۔شاہ جیؒ نے بڑے ہی دردمندانہ لہجے میں فرمایا: ''برخوردار! ان سے اکابر کا دامن چھوٹ گیا۔میں ان کو فتنہ تو نہیں کہتا کیونکہ فتنہ وہ ہوتا ہے جن کا مذہب اور دین نیا ہو۔ان کا مذہب نیا نہیں ہے۔البتہ آپ حضرات نے مرتے دم تک اکابر کے ساتھ وابستہ رہنا ہے۔''

میرے ساتھی صابر شاہ صاحب، اللہ ان کو بخشے، وہ تو واپس بھیرہ چلے گئے تھے جب کہ میں کورس مکمل کر کے سند لے کر واپس ہوا۔یہ رمضان شریف کا مقدس مہینہ تھا۔ہمارے اسباق صبح سے ۱۲ر بجے تک ہوا کرتے تھے۔سخت گرمی کا موسم تھا۔اسباق ۱۲ر بجے ختم ہوتے تو میں سیدھا ٹبی شیر خان، حضرت شاہ جیؒ کے پاس ان کے کرایہ کے مکان پر پہنچ جاتا اور عصر تک حضرت شاہ جیؒ کے پاس رہتا اور مٹھی چاپی کرتا۔شاہ جیؒ چارپائی پر ایک چٹائی بچھائے تشریف فرما ہوتے اور عصر کی نماز باجماعت پڑھتے۔امامت حضرت مولانا سید ابوذر بخاریؒ کراتے۔میں اور شاہ جیؒ مقتدی ہوتے۔رمضان کے باقی ۲۲ دن، میں حضرت شاہ جیؒ کی خدمت میں اسی معمول سے یومیہ حاضر ہوتا رہا۔شاہ جیؒ عصر کی نماز پڑھ کر مدرسہ قاسم العلوم سے کچھ آگے ایک حکیم صاحب (حکیم عطاء اللہ خان صاحبؒ) کے ہاں تشریف لے جاتے اور میں دفتر آ جاتا اور روزہ دار المبغلین میں افطار کرتا۔

ایک دن ایک عجیب واقعہ پیش آیا۔حضرت شاہ جیؒ اور بندہ نمازِ عصر پڑھ کر نکلے۔شاہ جیؒ آگے آگے اور بندہ پیچھے پیچھے چلا آ رہا تھا۔مدرسہ قاسم العلوم کے ساتھ ایک چھوٹی سی بیکری تھی، جس پر ایک کمزور، لاغر سا دکاندار بیٹھا ہوا تھا، وہاں پہنچ کر شاہ جی نے اسے مخاطب کرتے ہوئے فرمایا کہ بھائی میں نے پھیکے بسکٹ منگوائے تھے اور تو نے میٹھے بھیج

دیئے۔ غالباً حضرت شاہ جیؒ کو شوگر کی بیماری تھی، جس کی وجہ سے وہ میٹھے سے پرہیز فرمایا کرتے تھے۔ شاہ جیؒ اصرار کرتے رہے کہ تو نے میٹھے بھیج دیئے اور وہ انکار کرتا رہا کہ نہیں شاہ جی نہیں، میں نے پھیکے بھیجے ہیں مجھے بڑا غصہ آ رہا تھا کہ دیکھو کس قدر ظالم شخص ہے، اپنی بات پر اصرار کرتا چلا جا رہا ہے۔ آخر کار شاہ جی نے ایک لمبی سانس لی اور اپنے دست مبارک سے زبان مبارک کو پکڑ کر فرمایا: (استغفر اللہ!) ''جب تک تیرے اندر طاقت تھی تو تیری غلط کہی ہوئی بات بھی ٹھیک ہو جاتی تھی۔ کسی کو کیا مجال کہ انکار کرے۔ آج تو کمزور ہو گئی ہے تو تیرا سچ بھی لوگوں کو جھوٹ نظر آ رہا ہے''۔ بس یہ جملہ کہہ کر حضرت آگے بڑھ گئے اور حکیم عطاء اللہ صاحب کے مطب پر تشریف لے گئے اور بندہ دفتر آ گیا۔

ایک دن نوابزادہ نصر اللہ خان مرحوم شاہ جی کی خدمت میں وارد ہوئے۔ باتوں باتوں میں نوابزادہ صاحب نے حضرت شاہ جی سے عرض کیا: ''شاہ جی! آپ بوڑھے ہو گئے۔ عمر کا بڑا حصہ بتا چکے۔ لیکن اپنے لیے آپ نے ساری زندگی کچھ نہیں بنایا۔ اب بھی کرائے کے مکان میں ڈیرہ لگا رکھا ہے۔ جاتے جاتے اولاد کے لیے تو مکان وغیرہ کا کر جایئے تاکہ یہ تو کرائے کے مکانوں سے بچ جائیں''۔ شاہ جی نے سر اوپر اٹھایا اور نوابزادہ مرحوم کی طرف غصے کے ساتھ پیار بھری نگاہوں سے دیکھ کر فرمایا: ''نوابزادہ صاحب! میں تو آپ کو نہایت سمجھ دار اور دانا سمجھتا تھا لیکن آپ نے کیسی بات کر دی کہ میں بوڑھا ہو گیا اور اولاد کے لیے کچھ نہیں کیا، کچھ کر جاؤں، بھائی! میں بوڑھا ہو گیا، میرا رب تو بوڑھا نہیں ہوا۔ اس کی ذات پر کامل بھروسہ ہے۔ وہی ان کا انتظام کرے گا۔ واقعۃً آج دارِ بنی ہاشم حضرت شاہ صاحب کی زبان مبارک سے نکلے ہوئے جملوں کی بدیہی تصدیق ہے۔

ایک دن اخبار میں خبر آئی کہ جہلم میں زبردست اولے پڑے ہیں اور فصلیں تباہ ہو گئی ہیں۔ تو فرمایا میں نے رب کے سامنے عرض کیا۔ ''**اتهلكنا بما فعل السفهاء منا ان هي الافتنك**'' (الاعراف، ۱۵۵) (ترجمہ: کیا آپ ہمیں ہمارے بعض سفہاء کے اعمال کی پاداش میں ہلاک کر دیں گے؟) غرض یہ کہ میری زندگی کے یہ بائیس دن جو مجھ بے بس، گنہگار، فقیر کو حضرت شاہ جی کی خدمت میں ظہر سے عصر تک اللہ تعالیٰ نے گزارنے کا موقع عنایت فرمایا۔ یہی بائیس دن میری زندگی میں انقلاب کا باعث بنے اور واپس لوٹتے وقت میں حضرت شاہ جی کی بیعت سے مشرف ہوا۔ چونکہ مشہور یہ تھا کہ دارالمبلغین میں بھی وہی طالب علم داخلہ لیتے ہیں جو فارغ التحصیل ہوتے تھے۔

جب ۲۹ رمضان المبارک کو سند لے کر واپس گھر آنے لگا تو حضرت شاہ جی سے بیعت کی درخواست کی اور شاہ جی نے شفقت فرمائی۔ اللہ تعالیٰ نے میری قسمت کو سنوارنا تھا۔ شاہ جی نے بیعت فرما لیا اور پوچھا کیا کر رہے ہو۔ کہاں خطیب ہو یا کس مدرسہ میں پڑھاتے ہو۔ تو میں نے کہا شاہ جی! میں تو ابھی پڑھ رہا ہوں۔ لہٰذا مجھے کوئی وظیفہ بتلا دیں۔ تو شاہ جی نے فرمایا ''میں طالب علم کو بیعت نہیں کرتا کہ تعلیمی حرج نہ ہو اور وظائف میں نہ لگا رہے۔ تم پہلے طالب علم ہو جس کو میں نے بیعت میں لے لیا۔ اب وظیفہ کیا بتلاؤں۔ سورۃ یٰسین کی تلاوت روزانہ کر لیا کرو اور نماز با جماعت کی پابندی کرنا۔

اللہ تعالیٰ علم دے تو حق کہنا۔ دعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ تمھیں علم باعمل نصیب فرمائے۔ اور آخری بات! اکابر کے دامن کو اپنے ہاتھ سے نہ چھوڑنا۔ ہاتھ کٹ جائیں لیکن اکابر کا دامن ہاتھ سے نہ چھوٹے''۔ وہ دن اور آج کا دن میری عمر ۷۵ سال ہوگئی ہے۔ شاہ جی کی زبان مبارک سے نکلے ہوئے جملے آج بھی مجھے یوں محسوس ہوتا ہے کہ کانوں میں گونج رہے ہیں۔ شاہ جی مجھے فرمارہے ہیں اور میں سن رہا ہوں۔ اللہ تعالیٰ کا خاص فضل وکرم ہے کہ مشکل سے مشکل حالات میں بھی اکابر کے دیے ہوئے لائحہ عمل سے کبھی سرمو سر کنے کی کوشش نہیں کی۔ شاہ جی نے فرمایا تھا کہ حق کہنا۔ یہ شاہ جی کے فرمان کی تاثیر ہے کہ حق زبان پر خود بخود جاری رہتا ہے اور آج پچاس سال گزر گئے ہیں اللہ تعالیٰ نے نماز بغیر جماعت کے پڑھنے کی طرف بھی کبھی مائل نہیں ہونے دیا۔ اور سورۃ یٰسین تو الحمدللہ ہر حال میں' سفر میں' حضر میں پڑھتا ہوں۔ شاہ جیؒ کی اسی نسبت کا فیض ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے تحفظ عقیدہ ختم نبوت کی خدمت نصیب فرمائی اور اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم اور مرشد کی دعا سے آج تک کبھی اس عقیدہ کے تحفظ میں نہ تو سستی کا مظاہرہ کیا اور نہ ہی اس کو کمائی کا ذریعہ سمجھا۔ یہ محض اللہ تعالیٰ ہی کی مہربانی ہے کہ اس نے مجھے شاہ جی ایسے حضرات سے نسبت قائم رکھنے کی توفیق عطا فرمائی۔

وما توفیقی الاباللہ علیہ توکلت والیہ انیب.

توضیحات

(الف) یہ ۱۹۵۶ء نہیں ۱۹۵۴ء تھا۔ ماہنامہ ''دارالعلوم'' دیوبند کی دسمبر ۱۹۵۳ء کی اشاعت میں حضرت مولانا اخلاق حسین قاسمی مدظلہ کا ایک مضمون بعنوان ''مسئلۂ حیات النبی صلی اللہ علیہ وسلم دیوبندی مکتبِ خیال کی روشنی میں'' شائع ہوا۔ اسی مضمون کو حضرت امیر شریعت رحمۃ اللہ علیہ کے حکم پر انھی ایام میں حضرت مولانا سیّد ابومعاویہ ابوذر بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے مکتبہ نادیۃ الادب الاسلامی کی طرف سے کتابچے کی شکل میں شائع فرمایا۔ اوپھر اصحابِ علم وذوق کی طلب کے پیشِ نظر بار بار شائع فرمایا۔ اپریل ۱۹۵۹ء تک اس کے پانچ ایڈیشن نکلے۔ صاحبِ مضمون اسی دوران میں ماہنامہ ''دارالعلوم'' دیوبند ہی میں (شمارہ بابت ماہ جون ۱۹۵۴ء) بارِدگر قلم اُٹھایا اور اس موضوع سے متعلق بعض استفسارات و اشکالات کے جوابات تحریر فرمائے۔ حضرت مولانا سید ابوذر بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے ''طبع پنجم'' میں ان دونوں مقالات کو یکجا شائع کرنے کا ارادہ ظاہر فرمایا لیکن اس اشاعت کی نوبت نہ آسکی۔

(ب) یہ کہنا کہ حضرت مولانا اخلاق حسین قاسمی مدظلہٗ کے مقالے کی اشاعت سے ''مسئلہ حیات النبی صلی اللہ علیہ وسلم کا چرچا ہوگیا اور اختلافی شکل معرضِ وجود میں آگئی'' محلِ نظر ہے' بلکہ واقعاتی ترتیب کے خلاف ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ جب ''چرچے'' اور ''اختلافی شکل'' کے آثار نمایاں کیے جانے لگے تو اکابر کو ایسے مقالات کی تالیف اور اشاعت کی فکر ہوئی۔ یعنی جب بعض حضرات خالصتاً علمی اور درسی نوعیّت کے ان تحقیقی مباحث کے حوالے سے عوامی اجتماعات اور تبلیغی خطبات میں اختلافی گفتگوؤں کا آغاز فرما چکے تھے۔ چنانچہ اختلافی فکر کے حاملین نے ۱۹۵۷ء میں اپنی علیحدہ جماعت

(اشاعت التوحید) قائم کی اور ۱۹۵۸ء میں اس ''اختلافی شکل'' نے دیکھتے ہی دیکھتے باقاعدہ محاذ آرائی کی صورت پیدا کر دی۔ تا آنکہ ۱۹۶۲ء میں حضرت قاری محمد طیّب صاحب رحمۃ اللہ علیہ پاکستان تشریف لائے۔ آپ نے فریقین کے بڑوں کو اکٹھا کیا اور ایک متفقہ اور غیر اختلافی مؤقف پر مبنی عبارت پیش فرمائی۔ عبارت کے مجوز حضرت قاری صاحب خود تھے۔ اس موقع پر آپ نے اُن بڑوں کے سامنے فرمایا: ''عامۃ المسلمین کو فتنہ ونزاع وجدال سے بچانے کے لیے مناسب ہوگا کہ مسئلہ حیات النبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ہر دو فریق کے ذمہ دار حضرات عبارت ذیل پر دستخط فرمائیں۔ یہ مسئلہ قدر مشترک ہوگا۔ ضرورت پڑنے پر اسے ہی عوام کے سامنے پیش کر دیا جائے۔ تفصیلات پر زور نہ دیا جائے۔ عبارت مجوزہ ذیل ہے

> ''وفات کے بعد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے جسد اطہر کو برزخ (قبر شریف) میں بہ تعلقِ روح حیات حاصل ہے، اور اس حیات کی وجہ سے روضۂ اقدس پر حاضر ہونے والوں کا آپ صلوٰۃ وسلام سنتے ہیں۔''

اس عبارت کے نیچے حضرت قاری صاحبؒ کے علاوہ ''اشاعت التوحید'' کے بانی امیر حضرت مولانا قاضی نور محمد، بانی ناظم اعلیٰؒ حضرت مولانا غلام اللہ خانؒ نے دستخط فرمائے۔ چوتھے دستخط حضرت مولانا محمد علی جالندھری رحمۃ اللہ علیہ کے تھے۔ یہ ۱۸ محرم ۱۳۸۲ھ مطابق ۲۲ جون ۱۹۶۲ء کا واقعہ ہے۔

(ج) حضرت امیرِ شریعتؒ، آپ کے رفقائے گرامی اور آپ کی جماعت کے منشور ومسلک اور موقف ومزاج کے بارے میں بات کرتے ہوئے بعض غیر ذمّہ دار حضرات ضرورت سے زیادہ ''باہمت'' واقع ہوئے ہیں اور وہ اس سلسلے میں ایک عرصے سے نہایت عجیب وغریب مغالطات اور مکذوبات کی اشاعت کے لیے سرگرداں چلے آرہے ہیں۔ مولانا محمد اکرم طوفانی کے اس مضمون اور ہماری مندرجہ بالا توضیحات کے بعد ایسی تمام بے اصل حکایات وروایات کی اشاعت اصولاً بند ہو جانی چاہیے کہ جن میں حضرت امیرِ شریعتؒ کو اپنے بعض معاصر علماء کے اختلافی مواقف کا مؤید ومتفق دکھایا گیا ہے۔ مولانا سید عنایت اللہ شاہ بخاری گجراتی رحمہ اللہ کے بعض تذکرہ نویسوں کے ہاں خصوصاً اس سلسلہ میں افسوسناک بے احتیاطیاں پائی گئی ہیں۔ یہ داستانِ وصل وفصل پڑھنے سے جن حضرات کو دلچسپی ہو وہ ''نقیب ختم نبوت'' ملتان، کی فائلوں میں ابن امیر شریعت حضرت سید عطاء المحسن بخاری رحمۃ اللہ علیہ کا سلسلۂ مضامین ''چہ دلاوراست دزدے.....'' (فروری ۱۹۸۹ء) اور ''خوگرِ حمد سے تھوڑا سا گلہ بھی سن لے'' (مارچ/اپریل ۱۹۸۹ء) ضرور ملاحظہ فرمالیں۔ (ادارہ)

☆☆☆